نفس و شیطان کے دھوکے
مفسرِ اعظم پاکستان، شیخ الحدیث والقرآن، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت
مُفتی محمد فیض احمد اُویسی رضوی نور اللہ مرقدہٗ
www.FaizAhmedOwaisi.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن

امابعد! انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ابلیس ہے۔ اُسے ہر وقت انسان کو جہنم کا ایندھن بنانے کی فکر ہے لیکن اس سے بڑھ کر انسان کا دشمن اسکا اپنا نفس ہے۔ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: لِأَنَّ أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ [1]

یعنی تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے کہ تیرے دونوں پہلوں کے درمیان میں ہے۔

اس کے مکر و فریب اور دھوکے شیطان ابلیس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں"

رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا	ہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

ان دونوں دشمنوں سے بچنا بڑا مشکل ہے ہاں کسی مرشد کامل کی نگاہِ کرم ہے تو ان سے بچنے کی امید ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ والوں کو ان دونوں کی بُری چالیں معلوم ہیں اور وہ اُن کے دام تزویر (فریب) سے بچانا بھی جانتے ہیں وہ اس لئے کہ جس طرح ہم ظاہری امور کو چشمِ بصارت سے دیکھتے ہیں وہ بھی چشمِ بصیرت سے مشاہدہ فرماتے ہیں نہ صرف مشاہدہ فرماتے ہیں بلکہ ان کے مکر و فریب سے بچاتے ہیں ان سے کسی بھی حیثیت سے نسبت ہو تو چَشم زَدن (لحہ بھر) میں نہ صرف ان کے جال سے انسان بچ جاتا ہے بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت امام فخر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیدنا نجم الدین کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف نسبت جوڑی اور وہاں تک پہنچے بھی نہ تھے لیکن وصال کے وقت شیطان ابلیس کی گرفت سے سیدنا نجم الدین کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجۂ کرم سے محفوظ ہوگئے۔

فقیر اہل اسلام سے گزارش کرتا ہے کہ محبوبانِ خدا کا ہاتھ تھامیئے اور اپنے نبی کریم ﷺ سے لو لگایئے جو دونوں دشمنوں پر ہر وقت نظر رکھتے ہیں اور ان دونوں کی شرارت سے بچانے میں دیر بھی نہیں کرتے جب آپ ﷺ کی امت کی اتنی بڑی شان ہے تو نبی کریم ﷺ کی شان اس سے بالاتر ہے حقیقت یہ ہے کہ تمام اشیاء آپ کے سامنے منکشف (ظاہر) ہوئیں اور آپ ﷺ نے سب کو چشمِ بصیرت سے ایسا ہی مشاہدہ فرمایا جیسا چشمِ ظاہر بین سے محسوسات کو دیکھ لیا جاتا ہے۔

بیماریاں اور علاج: اب شیطان و نفس کے دھوکے کے چند نمونے پڑھیئے۔

اهل ایمان کو دهوکه: زبان اور عقیدہ سے ایمان لانے والے لوگ بھی جب احکامِ الٰہی یعنی اعمالِ صالحہ کو ضائع کرنے لگے اور شہوات (خواہشات) میں پھنس گئے تو وہ بھی اس غرور میں کفار کے ساتھ مل گئے اس سے ثابت ہوا کہ حیات دنیا مومن اور کافر دونوں کے لئے غرور (دھوکا) بن جاتی ہے۔

---

[1] (جامع الأحاديث، قسم الأقوال، حرف اللام، 296/18، الحديث 19377، د حسن عباس زكي)

کفار کا غرور اللہ تعالیٰ سے: اس کا بیان یہ ہے کہ بعض اپنے دل میں سمجھتے اور زبان سے کہا کرتے ہیں کہ اگر خدا ہم کو مار کر پھر زندہ بھی کرے گا تب بھی اس کے لطف (عنایت) کے زیادہ مستحق ہم لوگ ہی ہیں۔ سورۂ کہف میں اُن کا قول بیان ہوا ہے:

مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً (پارہ۱۵،سورۂ کہف، آیت ۳۶،۳۵)

ترجمہ: مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو۔

اس غرور کے باعث نہ ابلیس کے قیاسات (گمانوں) میں سے ایک قیاس ہے یعنی کبھی وہ اپنی دینوی حالت موجودہ کو دیکھتے اور نعمتوں کو اپنے ارد گرد پاتے ہیں تو آخرت کی نعمتوں کا بھی اسی پر قیاس کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں، "لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ" (پارہ۲۸، سورۂ المجادلۃ، آیت۸)

ترجمہ: ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر۔

اور کبھی وہ ایمانداروں کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں اُن کو فقیر حقیر دیکھ کر حقارت کرتے ہیں اور پکار اُٹھتے ہیں:

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا (پارہ۷، سورۂ الانعام، آیت ۵۳)

ترجمہ: کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے۔

غرض جو قیاس انہوں نے دل میں لگایا ہے اُس کو اس طرح ترتیب دے لیتے ہیں کہ دنیا کی نعمتیں دے کر خدا عزوجل نے ہم پر احسان کیا ہے اور جس پر احسان کیا جاتا ہے وہ مُحِب (پیار کرنے والا) ہوتا ہے اور جو محب ہوتا ہے اُس پر احسان بھی کیا جاتا ہے لیکن در حقیقت ایسا نہیں۔ احسان کئے گئے ہوں مگر محب نہیں ہوتے مگر بسا اوقات احسان آہستگی کے ساتھ ہلاکت کا موجب ہو جاتا ہے بیشک ان کا سمجھ لینا اللہ تعالیٰ کی جانب دھوکا کھا جانا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا اس طرح روک لیتا ہے جیسے ہم بیمار سے کھانا، پینا روک لیتے ہیں، حالانکہ بیمار سے محبت ہوتی ہے۔

فائدہ: اربابِ بصائر (دانا لوگ) کا یہی حال ہے کہ جب دنیا ان کی جانب رُخ کرتی ہے تو غمگین ہو جاتے ہیں اور جب فقر آتا ہے تو خوشی مناتے ہیں اور اس کو صالحین کا لباس قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝

(پارہ۳۰، سورۂ الفجر، آیت ۱۵)

ترجمہ: لیکن آدمی تو جب اسے اس کا رب آزمائے کہ اس کو جاہ اور نعمت دے جب تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دی۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۚ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (پارہ۱۸، سورۂ المومنون، آیت ۵۶،۵۵)

ترجمہ: کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ (پارہ۹،سورۂ الاعراف، آیت ۱۸۲، ۱۸۳)

ترجمہ: جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہو گی اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے۔

فرمایا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ (پارہ۷، سورۂ الانعام، آیت ۴۴)

ترجمہ: پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں اُن کو کی گئی تھیں ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔

غرض یہ کہ جو اس غرور میں پھنس جاتا ہے اس کا خدا پر ایمان نہیں ہوتا۔ اصلیت اُس غرور کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے جہل حاصل ہوتا ہے لیکن جس کو معرفت حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس در گزشت سے کبھی بے خوف نہیں ہوتا۔ فرعون اور ہامون کی نظیریں موجود ہیں کہ پہلے اُن کی کیا حالت تھی پھر انجام کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس در گزشت سے خود ڈرایا ہے اور فرمایا: فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (پارہ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۹۹)

ترجمہ: تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔

اور وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝ (پارہ ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۵۴)

ترجمہ: اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا ○ (پارہ۳۰، سورۂ الطارق، آیت ۱۷)

ترجمہ: تو تم کافروں کو ڈھیل دو انہیں کچھ تھوڑی مہلت دو۔

غرض جس کو کوئی نعمت ملی ہے اسے لازم ہے کہ ڈرتا ہی رہے کہ کہیں یہ نعمت مصیبت ہی نہ ہو۔

مومن گنہگار کو دھوکہ: مومن گنہگار کو غرور (دھوکا) ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم کہہ کر عفو کی امید رکھتے ہیں اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اعمال کو چھوڑ دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ایسی امید رکھنا دین میں پسندیدہ ہے کیونکہ اللہ کی عنّت اور کرم عمیم (سب پر حاوی) ہے اور ہم موحد و مومن (خدا کو ایک ماننے والا، سچا مسلمان) ہیں ایمان اور کرم و احسان کے وسیلہ سے مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔

کبھی یہ غرور مادر و پدر کی صلاحیت و نیکی پر مبنی ہوتا ہے مگر یہ تو بہت بڑا دھوکہ ہے کیونکہ گو اُن کے مادر و پدر صالح و مُتَوَرِّع (پرہیز گار) ہی تھے مگر پھر خاطی تھے یہ لوگ اپنے دل میں اس قیاس شیطانی کو یوں مرتب کرتے ہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کیا کرتا ہے تو اُن کی اولاد سے بھی کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب ہمارے آباؤ اجداد پر عنایت رکھتا تھا تو ہم پر بھی رکھے گا اس لئے ہم اطاعت کے محتاج نہیں یہ لوگ اسی پر بھروسہ کر لیتے اور اللہ تعالیٰ سے دھوکے میں

رہتے ہیں۔ یہ لوگ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی o [2] اور وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی o [3] کو فراموش کر دیتے ہیں۔ بے شک جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ باپ کے تقویٰ کے طفیل نجات مل جائے گی وہ اس عقل کا مالک ہے کہ باپ کے کھانا کھالینے پانی پی لینے سے اُس کی بھوک جاتی رہے گی۔ تقویٰ تو فرضِ عین ہے جس میں والد اولاد کی جانب سے کفایت نہیں کر سکتا اور جو وقت تقویٰ کی جزا کے ملنے کا ہو گا اس وقت انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، جورو، اولاد سے بھاگے گا بجز اس کے کہ کوئی شفاعت کر سکے۔

اُن لوگوں نے اس حدیث کو (کہ دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو حقیر سمجھے اور موت سے مابعد حالت کے لئے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی اتباع کرے اور اللہ پر امیدیں باندھے) [4] بھلا دیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o [5] اور یہ ارشاد جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ o [6] کو فراموش کر بیٹھے۔ امید صحیح تب ہوتی ہے جب اس سے پہلے عمل ہو اور اگر عمل اس سے مُتَقَدِّم (آگے بڑھنے والا) نہ ہو تب اس کا نام غرور ہے۔ امید کا ذکر تو اس لئے ہوا ہے کہ خوف یا اس کی گرمی اس سے کم ہو جائے جیسا کہ قرآن سے بھی واضح ہے نیز اس لئے کہ آئندہ اعمال کی زیادتی میں ترغیب پیدا ہو۔

مطیع بھی مجرم بھی: ان ہی لوگوں کے ساتھ وہ بھی قریب تر ہے جنہوں نے طاعت (فرمانبرداری) بھی کی ہے اور معصیت (نافرمانی) بھی لیکن معصیت زیادہ ہے۔ بایں ہمہ (ان تمام باتوں کے باوجود) یہ لوگ مغفرت کے مُتَوَقِّع (امید یا آس رکھنے والے) ہوتے ہیں اور سمجھا کرتے ہیں کہ ان کی نیکیوں کا پلڑا بدیوں کے پلڑے سے زیادہ بھاری ہے حالانکہ یہ بہت ہی جہالت ہے۔ علیٰ ہذا (اسی طرح) تم دیکھو گے کہ ایک شخص چند روپیہ حلال حرام کی کمائی کے خیرات دیتا ہے اور خود اس سے کئی چند زیادہ لوگوں کا مال مار کر کھاتا ہے ایسے کی یہی مثال ہے کہ ایک پلڑے میں دس روپیہ رکھے اور ایک میں ہزار پھر منتظر ہو کہ دس روپیہ والا پلڑا بھاری ہو گا حالانکہ یہ بہت ہی جہالت ہے۔

انتباہ: بعض ایسے ہوتے ہیں جو اپنی طاعت (فرمانبرداری) کو معاصی (جرم) سے زیادہ خیال کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا حساب نہیں لیتے اور معاصی کی تَجَسُّس (جستجو) نہیں کرتے اور نیک عمل کو یاد بھی رکھتے ہیں اور شمار بھی کر لیتے ہیں مثلاً ایک شخص جو زبان سے استغفار پڑھتا ہے اور رات یا دن میں ۱۰۰ یا ۱۰۰۰ دفعہ تسبیح پڑھتا ہے پھر مسلمانوں کی غیبت بھی کرتا ہے اور دن بھر ایسا کلام کیا کرتا ہے جو خدا عزوجل کے ہاں پسندیدہ نہیں۔ بایں ہمہ (ان تمام باتوں کے باوجود) تسبیح کا جو ثواب وارد ہوا ہے اُسی کا خیال رکھتا ہے اور جھوٹوں، چغل خوروں، منافقوں کے لئے جو عُقُوبَت (گناہ کی سزا) وارد ہوئی اس کا خیال نہیں کرتا یہ بے شک محض غرور ہے اور زبان کا معاصی سے روک رکھنا تسبیح سے زیادہ مُؤَکَّد (مضبوط) ہے۔

---

[2] (پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۳۸) ﴿**ترجمہ:** کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اُٹھاتی۔﴾

[3] (پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۳۹) ﴿**ترجمہ:** اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔﴾

[4] (سنن أبي داود، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب منه، 551/4، الحديث 2459، المكتبة العصرية)

(سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، 1261/2، الحديث 4260، المكتبة العلمية)

[5] (پارہ ۲، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۱۸) ﴿**ترجمہ:** وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔﴾

[6] (پارہ ۲۱، سورۃ السجدۃ، آیت ۱۷) ﴿**ترجمہ:** صلہ ان کے کاموں کا۔﴾

باب 1۔ علماء

(وہ علماء جنھیں علم سے دھوکہ ہوتا ہے وہ یہ ہیں:)

(۱) جب علومِ شرعیہ وعقلیہ حاصل کرچکے تب اسی میں تعمق (غور) کرنے لگے اسی میں مشغول ہوگئے جوروح کی نگہداشت اور معاصی سے حفاظت کو چھوڑ بیٹھے طاعات میں اعضاء کو نہ لگایا اور علم ہی پر مغرور ہوگئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کے ہاں ہمارا بھی درجہ ہے اور ہم علم کی اس حد کو پہنچ گئے جس درجہ کے عالم کو عذاب نہیں دیا جاتا اور اس کے گناہوں اور خطاؤں پر مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ اوروں کے حق میں اُن کی شفاعت قبول کی جاتی ہے لیکن اگر یہ لوگ چشمِ بصیرت سے دیکھیں تو معلوم ہو جائے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم معاملہ اور علم مکاشفہ (انکشاف) یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم۔ علم معاملہ بھی ضروری ہے تاکہ حکمت مقصودہ کامل ہو جائے اور حلال و حرام کی شناخت اور اخلاق نیک وبد کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اس کی مثال اس طبیعت کی سی ہے جو خود بیمار ہو اور دوسروں کا علاج کرتا ہو اور اپنا علاج باوجود قدرت ہونے کے نہ کرے کیا دوا کو جان لینا مرض کو فائدہ دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں دوا تو پینے کے بعد ہی فائدہ دے گی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَاo وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَاo [7] کو بھلا دیا اور یہ غور نہ کیا کہ "زَكّٰيهَا" فرمایا ہے اور "یعلم تزکیتها" نہیں فرمایا۔ یہ لوگ اپنا علم رکھتے اور لوگوں کو سکھلاتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے (کہ جو شخص علم میں بڑھا اور ہدایت میں نہ بڑھا اللہ تعالیٰ سے بعد میں ترقی کرے گا) غافل رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم (کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو علم سے اللہ نے نفع نہیں دیا) فراموش کر دیا اور اپنی حالت میں ہی مغرور رہے۔ اللہ کی پناہ ان کی حالت سے بے شک ان پر دنیا کی اور اپنے نفس کی محبت غالب آگئی اور راحت موجودہ کی طلب بڑھ گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کا علم ان کو عمل کے بغیر نجات دلا دے گا۔

(۲) جس نے حکم اور عملِ ظاہری کو مُحکم (مضبوط) کرلیا ہے اور معاصی ظاہرہ کو چھوڑ دیا ہے مگر اپنے دل سے غافل ہوگئے ہیں اور جو صفات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم (برے، مذمت کیے گیے) ہیں (مثل کبر وریا، حسد، طلب ریاست وشانِ معاصرین اور شرکاء کے ساتھ ارادۂ بد، شہروں اور لوگوں میں شہرت کی خواہش) ان کو دل سے نہیں نکالا یہ بھی دھوکا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد " أَنَّ الرِّيَاءَ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ "[8] سے اور ارشاد "الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ" [9] سے اور ارشاد "حب المال والشرف ينبتان النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل "[10] وغیرہ وغیرہ سے غافل رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ o [11] کو بھلا دیا ہے اسی لئے دل کو بھلا دیا اور ظاہر کو سنوارنے لگے حالانکہ جس کا دل صاف نہیں اُن کی طاعت صحیح نہیں اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جسے ورم کا مرض ہو حکیم نے لیپ بھی بتلایا اور دوا بھی اس نے لیپ کرلیا اور دوا نہیں پی اوپر سے ورم

---

7) (پارہ ۳۰، سورۃ الشمس، آیت ۹،۱۰) ﴿ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔﴾

8) (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الرقاق، من تشاعبت به الهموم لم يبال الله في أي أودية الدنيا هلك، 469/5، الحديث 8007، دار المعرفة، سنة النشر: 1418ھ/1998م)

9) (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الحسد، 276/4، الحديث 4903، المكتبة العصرية)

(سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحسد، 1261/2، الحديث 4210، المكتبة العلمية)

10) (إحياء علوم الدين، ربع المهلكات كتاب ذم البخل وذم حب المال، 282/3، دار المعرفة بيروت)

11) (پارہ ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت ۸۹) ﴿ترجمہ: مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔﴾

جاتا رہا مگر اندر کا ورم بحال رہا جو اندر ہی اندر بڑھتا رہا اگر اندر کا مادہ نکل جاتا تو ظاہر ٹھیک ہو جانا اس کا لازم تھا یہی حال اس سنڈ اس کا ہے جو دل میں چھپا ہوا ہے اور جس کا اثر جوارح(انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) پر ظاہر ہوتا ہے۔

(۳)جو اخلاقِ باطنہ سے واقف بھی ہیں اور بروئے شرع اُن کو بُرا بھی سمجھتے ہیں لیکن اس لئے کہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ بیٹھے تھے یہ سمجھتے ہیں کہ خود اُن اخلاق سے برتر ہیں اور ان کی شان اس سے بالاتر کہ اللہ تعالیٰ ایسے اخلاق میں ان کو مبتلا کرے۔ ان میں عوام مبتلا ہوتے ہیں جن کو علم کا یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں رسیدہ اور بالاتر ہیں کہ ان میں گرفتار ہوں غرض ان لوگوں پر تکبر اور سرداری اور طلب رفعت و شرف کے حال غالب ہو جاتے ہیں اور دھوکا یوں لگتا ہے کہ وہ اس کو تکبر نہیں سمجھتے بلکہ اسے دین کی عزت اور بزرگی کا اظہار اور دین الٰہی کی نصرت خیال کر لیتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ابلیس کی فَرَح(خوشی) کس چیز میں ہے اور نصرتِ نبوی کس چیز میں اور کافر کیوں کر ذلیل ہوسکتے ہیں ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تواضع(مہمان داری) اور تذلل(اپنے آپ کو حقیر سمجھنا) اور فقر و مسکنت(عاجزی) کو بھلا دیا جو اس درجہ تک تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے واپس آنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکستہ حالی پر عِتاب(غُصّہ) کیا اور فرمایا ہم تو وہ ہیں جن کو خدا(عزوجل) نے اسلام سے عزت دی ہے اور ہم کسی سے عزت کے جویا نہیں اور غرور کو دیکھو کہ دین کی عزت قیمتی کپڑوں سے چاہتا ہے اور اس کا نام علم اور دین کی عزت و شرف رکھتا ہے مگر بسا اوقات معاصرین کا ذکر حسد سے کیا کرتا ہے اور رد کرتے وقت دوسرے کی خوب خبر لیتا ہے اور اتنا نہیں سمجھتا کہ یہ تو حسد ہے بلکہ کہہ دیا کرتا ہے کہ غضب اور غصہ کی حالت میں ایسا ہو گیا پھر اپنی اس حالت پر دھوکا کھائے ہوئے ہے حالانکہ اگر اس زمانہ کے کسی دوسرے عالم پر طعنہ کیا جاتا تو ان کو کبھی غصہ نہ آتا بلکہ خوش ہی ہوتا بالفرض اگر لوگوں کے سامنے غصہ بھی آتا تو دل میں ضرور خوش ہوتا بسا اوقات یہ شخص علم کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری غرض خلقت کو فائدہ پہنچانا ہے حالانکہ وہ ریاکار تو ہوتا ہے کیونکہ اگر اُس کی غرض خلقت کی اصلاح ہوتی تو دوسرے کے ہاتھ سے اصلاح ہونے کو بھی دوست رکھتا جو اس جیسا ہو یا اس سے کم و بیش۔ بسا اوقات یہ شخص سلاطین کے پاس جاتا ہے اُن سے محبت کرتا ہے، اُن کی ثنا کرتا ہے اور جب اس سے دریافت کیا جائے تو کہتا ہے کہ اس آمد و رفت سے میری غرض مسلمانوں کو نفع پہنچانا اور ضرر ہٹانا ہے۔ دراصل یہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے کیونکہ اگر اس کی غرض یہی ہوتی تو اور اس کے ہاتھ سے یہ غرض پوری ہوتی ہوئی دیکھ کر ضرور خوش ہوتا یہ تو دوسرے کو دیکھ کر خفا ہو جاتا ہے بسا اوقات بادشاہ و امراء سے مال لیتا ہے اور جب دل میں خیال آتا ہے کہ یہ حرام ہے تو شیطان جواب دیتا ہے کہ یہ مال ہے جس کا کوئی مالک نہیں اور یہ مال مسلمانوں کی مصلحتوں کے لئے ہے اور تو مسلمانوں کا امام ہے عالم ہے دین کا ستون تجھ سے قائم ہے۔ اس تقریر میں تین مَکَر(فریب) ہوئے دیکھو امام وہی ہو سکتا ہے جس نے دنیا سے انبیاء اور صحابہ علیہم الرضوان اور امت محمدیہ ﷺ کے بزرگ ترین علماء کی طرح منہ پھیر لیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے برا عالم اس کی طرح ہے جو چشمہ کے منہ پر پڑا رہے نہ خود پانی پئے اور نہ کھیت میں جانے دے۔ غرض اہل علم کے غرور کی اصناف(قسمیں) بہت ہیں اور یہ لوگ اتنے درست نہیں ہوتے جتنے بگڑ جاتے ہیں۔

(۴)جس نے علوم بھی خود سیکھے اور جوارح(انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) کو پاک بھی کیا اور طاعات(اطاعت کے کام) سے اُن کو زینت بھی دی اور ظاہر معاصی(جرم) سے اِجتِناب(پرہیز) بھی کیا اور اخلاقِ نفس وصفاتِ قلب میں ریاء، حقد ر طلب و جاہ (مرتبہ) کی تلاش بھی کی اور نفس کو ان سے صاف رکھنے میں کوشش بھی کی اور ان کی بری موٹی جڑوں کو دل سے نکال کر بھی پھینک ڈالا لیکن ہَنُوز(اب تک) یہ بھی دھوکے میں آئے ہوئے ہیں کیونکہ دل کے ہر گوشہ میں شیطان کے خفیہ مکروں کا بقیہ موجود ہے اور نفس کی مکاریوں کا پوشیدہ حصہ پڑا ہوا ہے اور باریک اور نہفتہ(چھپا ہوا) ہے انہوں نے اسے معلوم نہ کیا اور چھوڑ دیا اُن کی مثال اس

کاشت کار (کسان) کی سی ہے جس نے کھیت میں پھر کر گھاس نکال دیا لیکن جن کی جڑیں ابھی زمین کے اندر تھیں اور ظاہر نہ ہوئے تھے اس کا خیال نہ رکھا اور پرواہ نہ کی۔ گھاس بھوس نکلا اور کھیتی کو خراب کر دیا اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر بگڑ جائیں تو جکڑ جائیں یہ لوگ اپنے آپ کو اچھا سمجھ کر لوگوں سے ملنا چھوڑ دیتے ہیں اور بسا اوقات لوگوں کو چشم حقارت سے دیکھتے ہیں اور بسا اوقات اپنے آپ کو اچھی صورت میں دکھانے کی کوشش کیا کرتے ہیں تاکہ کوئی حقارت سے اُن کو نہ دیکھے۔

(۵) جنھوں نے علوم تو حاصل نہیں کئے بلکہ علم فتاویٰ پر اقتصاد (میانہ روی) کر بیٹھے اور حکومات و خصومات اور معاملات دینویہ کی تفاصیل جو مصلحت ہائے تمدن کے لئے خلقت میں جاری ہیں معلوم کر لئے اور اپنا نام فقیہ اور اس علم کا نام فقہ رکھا یا علم مذہب۔ بسا اوقات اُس علم کی وجہ سے اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کو چھوڑ دیتے ہیں جَوارِح (پاؤں اور دیگر اعضا) کی احتیاط نہیں رکھتے۔ زبان کی غیبت سے پیٹ کی حرام سے پاؤں کی امراء و سلاطین کے پاس جانے سے اسی طرح دیگر اعضاء کی حراست نہیں کرتے اور دل کو تکبر، ریا، حسد اور دیگر مہلکات سے نہیں بچاتے۔ اُن کو دھوکا دو طرف سے لگتا ہے ایک تو عمل کی طرف سے جس کا علاج احیاء العلوم میں بیان کیا گیا ہے اُن کی ایسی مثال ہے کہ حکیموں سے دوا پوچھنی ضرور مگر یا تو دوا کو سمجھتے ہی نہیں یا اس پر عمل نہیں غرض یہ لوگ ہلاکت کے کنارہ پر ہوتے ہیں کیونکہ نفس کو درست کرنے اور سنوارنے میں تو مشغول نہیں ہوئے مگر کتاب الحیض، دیت، لعان، ظہار میں مشغول ہو بیٹھے اور اسی میں عمروں کو ضائع کر دیا۔ اُن کو دھوکا یوں لگتا ہے کہ خلقت تعظیم و اکرام کرتی ہے یہ جب قاضی یا مفتی کے پاس جانکلتے ہیں تو ایک دوسرے کی ہَجُو (برائی) کرتے ہیں اور جب دونوں اکٹھے ہو جائیں تب وہ پہلی گفتگو ہی نہیں رہتی اور کوئی طعن نہیں کیا جاتا پھر علم کی جانب سے وہ سمجھتے ہیں کہ اُس کے سوا اور کوئی علم ہی نہیں اور یہی باعث وصل اور سبب نجات ہے۔

مگر دیکھو یاد رکھو کہ وصل و نجات اللہ تعالیٰ کی محبت سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جس کی تین قسمیں ہیں۔ معرفت ذات، معرفت صفات، معرفت افعال۔ اُن لوگوں کی مثال ٹھیک وہ شخص ہے جو حاجیوں کے رستہ پر اپنے توشہ کو بیچ کر رہ جائے یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ فقہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کی اُن صفات کی معرفت کا جو خوف دینے کپکپا دینے والی ہیں نام ہے تاکہ خوف دل میں بیٹھ جائے اور تقویٰ کو لازم بنا دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ** (پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۲)

ترجمہ: تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے۔

(۶) ان لوگوں میں وہ بھی ہیں جو علم فقہ میں بھی خلافیات (مختلف فقہی مسائل اور باعث اختلاف) پر اقتصار کر بیٹھے ہیں اُن کی ہمت طریق مجادلہ (تکرار) پر جھکی ہوئی ہوتی ہے اور خصم کو الزام و ندامت دینا اور فخر و غلبہ کے لئے حق کو ٹال دینا اُن کی عادت ہوتی ہے یہ لوگ رات سے لے کر دن تک اربابِ مذاہب کے تناقض (ایک دوسرے کی ضد) کو ڈھونڈا کرتے ہیں اور ہمعصروں کے عیوب کی تلاش کیا کرتے ہیں۔ بے شک ان کا مقصود علم نہیں بلکہ اہلِ زمانہ میں فخر و مباہات ہوتا ہے۔ آہ اگر یہ لوگ دل کے تَصفِیَہ (صفائی) میں مشغول ہوتے تو ایسے علم سے جس کا نفع صرف دنیا میں ہی ہے ان کے لئے بہتر ہوتا پھر دیکھو دنیا میں بھی اس کا کیا نفع ہے "تکلب" جو آخرت میں یہی بھڑکتی ہوئی آگ بن جائے گا۔ رہے دلائل مذہب جن پر کتاب اللہ اور سنت مشتمل ہے مگر اُن کے لئے یہ دھوکا کتنا بڑا ہے۔

(۷)جو علم کلام میں مشغول ہوا۔ مجادلہ اور مخالفین کا رد اور اُن کے مناقضات کی تلاش میں لگ گیا اور مقولاتِ مختلفہ کے جاننے میں بہت آگے بڑھ گئے اور طریق مناظرہ اور دشمن کو چپ کرا دینے کی تعلیم کو شغل بنالیا اب ان کی بھی دو قسمیں ہیں: (الف) گمراہ۔ گمراہی میں ڈالنے والے (ب) محقہ۔ حق والے راہ حق دکھانے والے۔

گمراہ فرقہ کو تو یہ دھوکا ہوا کہ وہ اپنی گمراہی سے غافل ہیں اور اپنے نفس کے لئے نجات خیال کئے بیٹھے ہیں اُن کے فرقے بہت ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں ان کی ضلالت کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ دلائل کے شروط اور منہاج کو محکم نہ کرسکے اور شبہ کو دلیل اور دلیل کو شبہ سمجھنے لگے۔

گروہ محقہ کا غرور یہ ہے کہ وہ جَدَل (بحث) کو اہم امور اور دین الٰہی میں تمام قربات سے افضل سمجھ بیٹھے اور اُن کو خیال ہوا کہ کسی شخص کا دین تمام و کامل نہیں بنتا جب تک وہ تفحص (جستجو) اور بحث نہ کرے اور جو شخص بحث کرنے اور دلیل لکھنے کے لئے بغیر اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ نہ مومن ہوتا ہے اور نہ کامل، اور نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب۔ یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ قرنِ اول کے ساتھ اور نبی کریم ﷺ نے ان کے خیر الخلق ہونے کی شہادت دی ہے اور ان سے دلیل نہیں پوچھی گئی۔ ابو امامہ الباہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کی **مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الْجَدَلَ**[12] یعنی کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی جب تک جدل میں نہیں پڑی۔

(۸)جو وعظ میں مشغول ہو گیا ہے اور اخلاقِ نفس، صفاتِ قلب یعنی خوف و رجاء، صبر و شکر، توکل و زہد، یقین و اخلاص اور صدق پر گفتگو کرنے میں بلند درجہ کی طرف مائل ہوا ہے یہ لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ جب وہ ان صفات پر کلام کرتے ہیں اور خلقت کو ان کی رغبت دلاتے ہیں تو خود بھی اُن صفات سے مُتَّصِف (خوبیاں رکھنے والے) ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ اس سے بدرجہا دور ہیں بجز اس قدر قلیل کے جو عام مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اُن لوگوں کا دھوکا بہت بڑا دھوکا ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے نفس کو بہت ہی کچھ خیال کیا کرتے ہیں اور سمجھا کرتے ہیں کہ علم محبت میں انہی کو تبحر (کسی چیز میں کمال حاصل ہونا) ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پانے والے ہیں اور انہی کی مغفرت بھی ہوگی کیونکہ اُن کو زاہدین کا کلام حفظ ہے گو عمل سے خالی بھی ہیں۔ یہ پہلے فرقوں سے غرور میں بڑھے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ جس قدر خدا عز و جل اور رسول ﷺ کی محبت سکھلاتے اور جس قدر اخلاص کی باریکیوں کی تحقیق کرتے ہیں اسی قدر خود بھی محب اور مخلص ہیں اور جس قدر عیوب نفس کی پوشیدگیوں کو بتلاتے ہیں اسی قدر خود بھی ان سے پاک ہیں۔ علیٰ ہذا (اسی طرح) دیگر صفات حالانکہ وہ ہر شخص سے زیادہ دنیا کے پیارے ہوتے ہیں دنیا سے بے رغبتی اس لئے ظاہر کرتے ہیں کہ خود حِرص (لالچ) بہت بڑھی ہوتی ہے اور رغبت کامل ہوتی ہے یہ لوگوں کو اخلاص پر آمادہ کرتے ہیں اور خود خالی ہوتے ہیں دعا کی رغبت دلاتے ہیں اور خود کوسوں دور ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا کرتے ہیں اور خود نڈر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں اور خود بھٹکے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا وعظ کرتے ہیں اور خود دور پڑے ہوتے ہیں صفاتِ مذمومہ کی برائی کیا کرتے ہیں اور خود ان سے متصف ہوتے ہیں لوگوں کو تو کہتے ہیں کہ خلقت سے ہٹے رہیں مگر خود بڑے حریص ہوتے ہیں کہ لوگ اُن کے پاس آیا جایا کریں مثلاً اگر لوگوں کو ان کی مجلس میں جہاں بیٹھ کر وہ لوگوں کو وعظ سنایا کرتے ہیں ہٹا دیا جائے تو ساری زمین باوجود (باوجود اس کے کہ)

---

[12] (سنن أبي داود، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة الزخرف، 353/5، الحديث 3253، المكتبة العصرية)

(سنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، 19/1، الحديث 48، المكتبة العلمية)

فُسحت (کشادہ ہے) ان پر تنگ ہو جائے۔ ان کا گمان ہے کہ ہم خلقت کی اصلاح کرتے ہیں لیکن اگر یہی کام دوسرے سے ہوتا ہوا دیکھ لیں اور معلوم کرلیں کہ دوسرے کے ہاتھ پر اتنے شخصوں کو صلاحیت نصیب ہوئی تو غم اور حسد کے مارے مر بھی جائیں اور اگر ایک شخص ادھر ادھر کا آنے جانے والا دوسرے عالم کی توصیف اُن کے سامنے کردے تو سب سے زیادہ وہی ان کو بُرا نظر آنے لگے۔ بے شک یہ لوگ بہت ہی بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور مشکل ہے کہ ان کو اس دھوکے پر آگاہی ہوسکے اور یہ لوگ صلاحیت کے راستہ پر آسکیں۔

(۹) جنھوں نے وعظ کی ضروری اور واجب شرائط کو چھوڑ دیا ہے جیسے ہمارے زمانہ کے واعظین و بجز اس کے جسے خدا عزوجل نے بچایا یہ لوگ طاعات و جُھڑ (آنسوؤں کی جھڑی) کی دھمکی میں مشغول ہوتے ہیں ایسے فقرات جو قانونِ عدل اور شرع سے خارج ہوں یاد کر چھوڑتے ہیں طرح طرح کے لطیفے اور مقفیٰ (قافیے دار) الفاظ مناسب ترتیب سے ازبر کرتے ہیں ان کی بڑی ہمت مسجع (قافیے دار عبارت) فقرات کا بیان کرنا اور موقع موقع پر وصال و فراق کے موثر اشعار پڑھنا ہی ہوتا ہے اور اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کی مجلس میں لوگوں کو خوب وجد آئے۔ آہ و نالہ ہو حق کی صدا بلند ہو گو یہ افعال بھی اغراض فاسدہ کی غرض سے ہوں یہ لوگ انسانی صورت میں شیطان ہیں جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں کیونکہ اُن سے پہلا فرقہ گو خود آراستہ نہ تھا مگر دوسروں کو ضرور صلاحیت سکھلاتا تھا اور ان کے کلام و وعظ میں صحت ضرور موجود تھی مگر یہ توراہِ خدا سے روکتے ہیں اور خلقت کو تیز و تند زبان کے ساتھ اغراض اور غرور باللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ گناہوں پر جرأت اور دنیا کی رغبت کی جانب کھینچ رہے ہیں خصوصاً جب کہ واعظ اچھے کپڑوں اور نمود و آرائش سے مُتَزیَّن (سجا ہوا) ہو اور وعظ میں رحمت الٰہی سے ناامید دلا کر لوگوں میں یَاس (مایوسی) پیدا کردے۔

(۱۰) جنھوں نے زاہدوں کی گفتار و کلام پر (جو دنیا کی مذمت میں ہیں) قناعت کرلی ہے اور حفظ کر رکھا ہے گو معنی تک نہیں سمجھے پھٹ کبھی تو اس کا وعظ منبر پر کرتے ہیں کبھی بازار میں اپنے ساتھیوں کو لے کر اس حالت پر یہ سمجھتے ہیں کہ نجات و غفران والے یہی ہیں کیونکہ زاہدوں کا کلام یاد ہے گو عمل سے خالی ہیں یہ پہلے بھی زیادہ دھوکے میں ہیں۔

(۱۱) جنھوں نے اپنے وقت کو حدیث نبوی ﷺ میں ہی مستغرق کرلیا ہے یعنی سماع حدیث اور روایاتِ کثیرہ واسانید غریبہ کے جمع کرنے میں توجہ لگا رکھی ہے کوئی اُن میں ایسا ہوتا ہے کہ مختلف شہروں میں پھرتا اور مختلف شُیُوخ (مشائخ) سے روایت کرتا ہے تاکہ یہ کہہ سکے کہ میں فلاں سے ملا اور فلاں سے روایت رکھتا ہوں اور میرے پاس وہ اَسانِید (سندیں) ہیں جو دوسرے کے پاس نہیں۔ ان کو دھوکا کئی طرح کا لگتا ہے ایک تو یہ کہ یہ لوگ گویا پتھر اُٹھانے والے بار کش (بوجھ کھینچنے والے) ہوتے ہیں جن کو حدیث کے فہم اور معانی میں تدَبُّر (غور و فکر) کی توفیق نہیں ملی ہوتی یہ صرف نقل روایت پر اقتصار کر بیٹھتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اسی قدر ان کے لئے کافی ہے افسوس حدیث شریف سے مقصود تو اس کا سمجھنا اس کے معانی میں تدبر کرنا ہے حدیث میں پہلے تو سماع ہے (یعنی استاد سے روایت کا سننا) پھر اُس کو حفظ کرنا، پھر سمجھنا، پھر عمل پھر اس کو پھیلانا ان لوگوں کو دیکھو جو صرف سماع پر ہی بس کر بیٹھے اور آگے نہ چلے حالانکہ اسی جگہ بس کرنے پر کوئی فائدہ نہ تھا اس زمانہ میں یہ حال ہے کہ بے سمجھ بچے حدیث پڑھ رہے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور شیخ جس کے سامنے پڑھ رہے ہیں کبھی تو وہ غافل ہوتا ہے ایسا کہ حدیث پڑھ لی گئی اور اسے خبر نہیں کبھی سویا کرتا ہے حدیث کی اس سے روایت کی جاتی ہے اور اسے خبر بھی نہیں یہ سب کچھ دھوکا ہے استماع حدیث میں اصل تو یہ ہے کہ حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے سنے اور اسے حفظ کرلے یعنی روایت تو حفظ و یادداشت سے کرے اور حفظ سماع سے کرے۔ اگر

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہو گا یعنی اپنے کان لگا دے اور حفظ کرے اور ٹھیک یادداشت کے موافق روایت بھی کرنا اور سکھلانا جائز نہیں اگر غلطی کرے گا تو خطا کھائے گا واضح ہو کہ حدیث شریف کے حفظ کرنے کے دو طریق ہیں۔

(۱) دل کے راہ سے یعنی اس پر دوام رکھنے اور ذکر کے طریق سے۔

(۲) جو سن لے اسے لکھ لے اور صحیح تحریر کرے اور نَوِشتَہ (سند) کی حفاظ کرے تا کہ غیر کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے جو اسے بدل دینے والا ہو غرض کتاب کی حفاظت غیر شخص کی دَست بُرد (غارت گری، چوری) بچانے سے اپنی یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے نہ ہو۔

یہ ہرگز جائز نہیں کہ لڑکے اور غافل اور نائم کا سماع بھی لکھ لیا جائے اگر یہ جائز ہو تا تو یہ بھی جائز ہو تا کہ پنگھوڑے (جھولا، پالنا) میں پڑے بچے کا سماع لکھ جاتا۔ مختصر یہ کہ سماع کے لئے بہت سی شروط ہیں اور حدیث شریف کا مقصود یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اس کی معرفت حاصل کی جائے۔

حدیث شریف کے لئے بہت سے مفہومات ہیں جیسے قرآنِ مجید کے لئے ابوسفیان بن ابوالخیر سے روایت ہے کہ وہ زاہر بن احمد سرخسی کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ پہلی حدیث جو پڑھی گئی وہ یہ تھی: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ[13]

یعنی آدمی کی خوبی اسلام میں سے صفت یہ ہے کہ ناکارآمد اُمور کو چھوڑ دے۔

ابوسفیان اتنا سنتے ہی کھڑے ہو گئے کہا میرے لئے یہی کافی ہے جب تک میں اس سے فارغ نہ ہو لوں۔ یہ ہے حدیث کا سننا۔

(۱۲) جو علم نحو و لغت اور شعر و غریب اللغت میں مشغول ہے اور اپنے آپ کو مغفور سمجھتا ہے اور علماء امت میں اپنا شمار کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ دین اور سنت کا قیام نحو اور لغت پر ہے یہ لوگ نحو اور لغت کی باریکیوں میں عمر فنا کر دیتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔ اگر وہ سمجھیں تو لغت عرب میں عمر کا ضائع کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے ترکی یا سنسکرت میں عمر کا ضائع کرنے والا۔ فرق ہے تو صرف اس لئے کہ شریعت اس زبان میں ہے پس لغت اور نحو اتنی ہی کافی ہے جس قدر کتاب و سنت کے لئے ضروری ہے اس سے زیادہ پڑھنے والا فضول ہے جس کی کچھ ضرورت نہیں اور ایسا شخص دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔

باب 2۔ عبادت گزار

(وہ صاحبان جنھیں عبادت سے دھوکہ لگتا ھے۔)

ان کے بہت سے فرقے ہیں کوئی نماز پر مغرور ہے کوئی حج پر مغرور ہے کوئی جہاد پر کسی کا غرور زہد ہے۔ بعض ایسے فرقے ہیں جنہوں نے فرائض کو چھوڑ دیا ہے اور نوافل کو پکڑ رکھا ہے بسا اوقات اس میں تعمق (باریک بینی) کرتے ہیں تو اسراف اور نافرمانی تک جا نکلتے ہیں مثلاً وضو میں وَسواس (برے خیال) کرنا کسی پر غالب ہو جاتا ہے تو وہ مبالغہ کرتا ہے اور جتنے پانی کا شرع میں حکم ہے اس پر راضی نہیں ہوتا اور احتمالات (شک و شبہ) بعیدہ کو نجاست سے قریب کر لیتا ہے

---

[13] (سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب فیمن تکلم بکلمة یضحک بها الناس، 483/4، الحدیث 2317، المکتبة العصریة)

(سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب کف اللسان في الفتنة، 1261/2، الحدیث 3976، المکتبة العلمیة)

مگر حرام کھانے کی نوبت آتی ہے تب احتمالات قریبہ کو بعید (دور) سمجھ لیتا ہے اور بسا اوقات حرام محض کھالیتا ہے۔ بے شک اگر پانی کی احتیاط کو کھانے میں داخل کرلیتا تب بہتر ہوتا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نصرانیہ کی ٹھلیا سے پانی لے کر وضو کرلیا تھا حالانکہ اس میں ظہورِ نجاست کا احتمال ہو سکتا ہے بایںہمہ (باوجود اس کے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلال کی بہت سے صورتوں کو (اس خوف سے کہ کہیں حرام میں نہ جاپڑیں) چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(ا) جس پر نماز کی نیت باندھنے کا وسوسہ غالب ہو گیا ہے شیطان نہیں چھوڑتا کہ بے چارہ صحیح نیت کرلے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا جاتا ہے یہاں تک جماعت فوت ہو جاتی ہے یا بسا اوقات وقت نماز جاتا رہتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ بھی کہہ لی مگر دل میں نیت کے صحیح ہونے کا شک باقی ہے پھر یہ بڑی احتیاط کرتا ہے اور مکرر تکبیر کہتا ہے یہاں تک کہ سورۂ فاتحہ کا سننا فوت ہو جاتا ہے پھر اس شخص کی یہ حالت شک و احتیاط صرف ابتدا نماز میں ہی پائی جاتی ہے۔ باقی ساری نماز میں وہ غافل ہی رہتا ہے اور دل حاضر نہیں ہوتا بایںہمہ (باوجود اس کے) وہ اپنی اس حالت پر مغرور ہے اور اتنا نہیں سمجھتا کہ حضورِ قلب تو نماز میں واجب ہے۔ شیطان نے اسے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس کی سمجھ کو زینت دے رکھی ہے اور اس وسوسہ کا نام احتیاط بتلا دیا ہے کہ اس کی وجہ سے تو عوام سے متمیز (جُدا) ہوتا اور پروردگار کے ہاں اچھا سمجھا جاتا ہے۔

(۲) جن کو یہ وسوسہ ہو جاتا ہے کہ حروفِ فاتحہ کو اصلی مخارج سے ادا کیا جائے علیٰ ہذا اور سورتوں اور اذکار میں یہ ہمیشہ تشدید اور ضاد ظا کے فرق میں احتیاط کیا کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کچھ ضروری نہیں سمجھتے نہ تو یہ لوگ اسرارِ فاتحہ میں تفکُّر (سوچ بچار) کریں نہ اس کے معانی میں تَدَبُّر (غور و فکر)۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تلاوت میں مخارج حروف کی تحقیقات کے لئے خلقت کو مکلف نہیں فرمایا بجز اس کے جو عادتاً وغیرہ میں لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اُن کا دھوکا بہت بڑا ہے اُن کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں سفیر ہو کر جائے وہ اپنا مطلب کہنے لگے تو زیادہ زور مخارج حروف پر ہی ڈالے کہتا کہتا ٹھہر جائے اور پھر فقرہ کو صحت مخرج کے لئے دہرائے اپنے مقصود سے ہی غافل ہو اور آدابِ مجلس سے ہی نا آشنا۔ ضرور ہے کہ یہ شخص سیاست کا مَورِد قرار دیا جائے اور پاگل خانہ میں بھیج دیا جائے کیونکہ عقل کی کوئی علامت اس میں نہیں پائی گئی۔

(۳) جو تلاوتِ قرآن پر مغرور ہے جو ہمیشہ قرآن ہی رٹا کرتا ہے بسا اوقات ایک دن رات میں ختم کرلیا کرتے ہیں یعنی زبان تو جاری ہوتی ہے اور دل دور دراز کی امیدوں میں گھوما کرتے ہیں اور دنیا کے مکروں میں ڈوبے ہوتے ہیں یہ لوگ قرآن کے معانی میں تفکر نہیں کرتے تاکہ اس کی زواجر (متنبہ کرنے) سے ڈر جائیں اور مواعظ سے نصیحت پائیں۔ امر و نہی پر ٹھہرے رہیں اور جو جو مقامات اعتبار کے ہیں وہاں سے عبرت پکڑیں اور قرآن مجید سے جو لذت ہو وہ معنی کے اعتبار سے ہو نہ کہ ترتیب و نظم کے لحاظ سے یہ یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص ۲۴ گھنٹے میں سو بار بھی قرآن مجید پڑھ لے اور امر و نہی قرآنی کا تارک رہے وہ بہر حال عقوبت (سزا) کا مستحق ہے۔

بسا اوقات پڑھنے والے کی آواز سریلی ہوتی ہے یہ قرآن پڑھتا ہے اور لذت اُٹھاتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ لذت مناجات کی اور اللہ کے کلامِ پاک سننے کی لذت ہے افسوس یہ اُس لذت سے کتنا دور ہے اور اپنی آواز کی لذت میں ہی پڑا ہوا ہے۔ اگر کلام اللہ تعالیٰ کی لذت یہ شخص پالیتا تو اپنی آواز اور آواز کے سریلے پن کا خیال نہ کرتا اور نہ ادھر دل لگاتا۔ بے شک قرآن مجید کی لذت تو معنی کے اعتبار سے ہے اور یہ لوگ بڑے دھوکے میں ہیں۔

(۴)جو روزہ پر پھولے بیٹھے ہیں بسا اوقات صیامِ دہر[14] اُن کا شیوہ ہوتا ہے یا ایامِ شریفہ کے روزہ رکھا کرتے ہیں لیکن نہ تو زبان کو غیبت سے بچاتے ہیں نہ دل کو ریا سے پاک کرتے نہ پیٹ کو حرام سے افطار کے وقت روکتے ہیں اور نہ طرح طرح فضول ہذیانوں سے دور رہتے ہیں۔ یہ لوگ واجبات کا ترک کرتے اور مستحب کی پابندی کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو سلامتی والا سمجھتے ہیں سلامتی والے تو وہی ہیں جو خداوند کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ بے شک یہ لوگ بہت ہی بڑے دھوکے میں ہیں۔

(۵)جو حج پر مغرور ہیں حالانکہ نہ تو مظالم کو چھوڑا، نہ قرض ادا کیا، نہ والدین کی خوشنودی حاصل کی اور نہ حلال توشہ ہمراہ کیا اور بسا اوقات راستہ میں فرض نماز بھی ضائع کر بیٹھتے ہیں اور بسا اوقات بدن یا کپڑے کی نجاست دور کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ کبھی ظالموں کے خزانہ سے امداد لیتے ہیں اور راستہ میں لڑائی دنگہ سے بھی درگزر نہیں کرتے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ حرام کی راہ سے روپیہ جمع کیا ہوتا ہے اور راستہ کے ساتھیوں کو اس میں سے کھلایا پلایا کرتا ہے سخی کہلانے کے لئے۔ یہ پہلے تو خدا عزوجل کی نافرمانی کَسبِ حرام (حرام کی کمائی) میں کرتا ہے اور پھر ریا کے ساتھ خرچ کرتے ہیں غرض کعبہ پہنچتے ہیں تو دل رذائل اخلاق (برے اخلاق) اور صِفاتِ ذَمِیمَہ (بُری صفتیں) سے آلودہ ہوتا ہے اور بایں ہمہ (باوجود اس کے) یہ سمجھا کرتا ہے کہ میرا بھی خدا عزوجل کے ہاں کچھ درجہ ہے حالانکہ یہ دھوکا ہے۔

(۶)جنہوں نے **أَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ** اور **وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ**[15] اور خشیت کے طریق کو پڑھ رکھا ہے یہ لوگوں کے بُرے کاموں پر انکار کیا کرتے اُن کو اچھے کام کی ہدایت کیا کرتے ہیں مگر اپنے نفس کو بھول جایا کرتے ہیں یہ لوگ جب اوروں کو نیک کام کی ہدایت کیا کرتے ہیں تو سختی کے ساتھ اور پھر اس میں عزت و شرف کی طلب بھی ملی ہوتی ہے جب اُن سے کوئی کام انکار کے قابل ہو جاتا ہے اور لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو خفا ہو جایا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم تو خود محب ہیں پھر ہم پر انکار کون کرے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہو گئے ہیں اور جو پیچھے رہ گیا اس پر بڑی سختی کرتے ہیں کبھی ریا اور عزت کا اُن پر غلبہ ہو جاتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اگر اور کوئی اُن کے سوا مسجد میں کھڑا ہو جائے تو یہ خود اس سے آگے بڑھ جایا کرتے ہیں۔

انہی میں کوئی ایسا ہوتا ہے جو اذان دیا کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا کے لئے دیتا ہوں حالانکہ اگر کوئی اور آ کر اذان دے دے جب یہ موجود بھی نہ ہو تو بس قیامت کھڑی کر دیتے ہیں کہ تم نے میرا حق کیوں لیا اور کیوں دخل دیا۔ انہی میں کوئی ایسا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو مسجد کا امام بنالیتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ مسجد کا امام بن کر مشہور ہو جاؤں اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی علم وورع (پرہیز گاری) میں اس سے زیادہ وہ نماز میں آگے ہو جائے تو اُسے ناگوار گزرے۔

(۷)جو مکہ و مدینہ (زاد اللہ شرفہما) میں رہتا ہے اور اس پر مغرور ہے حالانکہ نہ دل کی نگہداشت کی نہ ظاہر کو پاک کیا نہ باطن کو آراستہ۔ بسا اوقات اُن کے دل اپنے گھر اور وطن میں ہی لگے ہوتے ہیں تم ان کو بات کرتے ہوئے معلوم کر لو گے جب وہ کہا کرتے ہیں کہ مجھے یہاں آئے ہوئے اتنی مدت ہوئی یا اتنے سال ہوئے یہ بے شک دھوکے میں ہیں کیونکہ بہتر تو یہ تھا کہ اپنے وطن ہی میں ہوتا مگر دل مکہ میں لگا رہتا اگر یہاں آ بھی گیا تو ضروری ہے کہ یہاں کے حقوق پورے

---

14) صوم الدہر (سال بھر روزہ رکھنا)

15) (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة تكفر الخطيئة، 521/2، الحديث 1368، دار ابن كثير، سنة النشر: 1414هـ/1993م)

کرے۔ اگر مکہ مکرمہ میں ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق پورا کرے اگر مدینہ منورہ میں ہے تو نبی کریم ﷺ کے حق نبھائے لیکن سوچو تو سہی کہ ان دونوں حقوق کے پورا کرنے پر قادر کون ہے؟

یہ لوگ ظواہر پر مغرور ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ در و بام ہی ان کو نجات دلائیں گے اور حالت یہ ہے کہ کبھی فقیر کو ایک لقمہ تک دینے کی ہمت نہیں ہوتی دیکھو اللہ کے بندوں کے ساتھ مل کر کاٹنا بھی کتنا مشکل ہے پھر خالق کے قرب میں رہنا کیوں کٹھن نہ ہوگا ہاں اللہ تعالیٰ کے قرب کا عمدہ طریق تو یہ ہے کہ انسان اپنے دل اور اعضاء کی محافظت کرے۔

(۸) جسے مال کی طرف رغبت نہیں اور لباس وطعام میں بھی کم حیثیت پر ہی قناعت کرتا ہے رہتے بھی گھروں کی جگہ مسجد میں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زاہدوں کے رتبہ کو پہنچ گئے حالانکہ اُن میں جاہ و شرف کی رغبت پائی جاتی ہے واضح ہو کہ شرف یا تو علم سے ملتا ہے یا وعظ سے یا صرف زہد سے انہوں نے آسان صورتوں کو چھوڑ دیا اور جو مہلکات میں سب سے بڑی تھی اسے لے لیا کیونکہ جاہ کا درجہ مال سے بڑا ہے اگر ان میں سے کوئی مال لے لیتا اور جاہ چھوڑ دیتا تو سلامتی سے قریب تر رہتا مگر یہ لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا میں زہد کرتے ہیں حالانکہ دنیا کے معنی ہی نہیں جانتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اغنیاء کو فقراء پر مقدم کیا کرتے ہیں کوئی تو ان میں علم پر مغرور ہوتا ہے اور کوئی خلوت و عُزلت (تنہائی) اختیار کر لیتا ہے اور اس کی شروط سے خالی ہوتا ہے کوئی ایسا ہوتا ہے کہ اُسے مال دیا جاتا ہے اور نہیں لیتا گو رغبت (خواہش) تو ہوتی ہے مگر یہ خیال لگا رہتا ہے کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس کا زہد جاتا رہا۔ کوئی ان میں ایسا ہوتا ہے جو اعمال جوارح میں اپنے نفس پر شِدَّت (زیادتی) ڈالتا ہے مثلاً رات دن میں ہزار رکعت پڑھتا ہے یا قرآن مجید ختم کر لیتا ہے حالانکہ ان سب صورتوں میں دل کی نگہداشت اُسے حاصل نہیں ہوتی اور نہ دل ریا، تکبر، غرور نیز دیگر مہلکات سے پاک وصاف ہی ہوتا ہے بسا اوقات وہ سمجھا کرتا ہے کہ عبادتِ ظاہری سے نیکی کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ افسوس نہیں سمجھتا کہ ایک ذرہ اور دانا کا ایک خلق ہی اعضاء کے عملوں سے (جو پہاڑوں کے برابر ہوں) افضل ہے۔ اس حالت پر یہ صورت ہوتی ہے کہ آپ او تاد ہیں آپ اولیاءِ رحمن اور محبوبِ الٰہی میں سے ہیں تو خوش ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کا تزکیہ معلوم کیا کرتا ہے گو حالت یہ ہو کہ دن بھر میں دو تین دفعہ تو کفر کے وسوسہ آ جاتے ہیں اور تعریف کرنے والے سے ہی لڑ پڑتے ہیں اور جس کسی نے حضرت کو گالی دے دی ہو اسے غصہ میں آ کر کہہ بیٹھتے ہوں کہ خدا تجھے کبھی نہ بخشے گا۔

(۹) جو نوافل پر حَرِیص (لالچی) ہے اور فرائض کی عظمت کو شمار میں نہیں لاتے نمازِ چاشت، تہجد وغیرہ نوافل پر تو خوش ہوتے ہیں مگر فرض میں لذت نہیں پاتے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس میں بہتری نہیں سمجھتے کیونکہ اُن کو نوافل کے ادا کرنے اور اول وقت پڑھنے ہی کی حرص (لالچ) ہوتی ہے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، "مَا تَقَرَّبَ الْمُتَقَرِّبُونَ إِلَيَّ بِمِثْلِ أَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِمْ "[16] کو بھول گئے۔ واضح ہو کہ نیکیوں میں ترتیب کا چھوڑنا بھی بدی بن جاتا ہے کبھی دو فرض اکٹھے ہو جاتے ہیں جن میں ایک فوت ہونے والا ہوتا ہے دوسرا ایسا نہیں ہوتا، دو نفل اکٹھے ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک کا وقت تنگ ہوتا ہے دوسرے کا وسیع اگر ترتیب کا لحاظ رکھے گا تو دھوکے میں رہے

---

[16] (إحياء علوم الدين، ربع المهلكات، كتاب ذم الغرور، 403/3، دار المعرفة بيروت)

﴿یعنی میرا قرب حاصل کرنے والے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کسی عمل سے قرب حاصل نہیں کرتے۔﴾

گا۔ اس کے نَظائِر (نمونے) شمار سے زیادہ ہیں اور معصیت تو ظاہر ہے مگر جب باریک بینی کی جائے تو بعض طاعتوں کا بعض پر مقدم کرنا بھی اسی میں ہے مثلاً فرائض کو نوافل پر مقدم کرنا چاہیے اور فرضِ عین کو فرضِ کفایہ پر اور فرضِ عین میں بھی جو اہم ہوں اُن کو دوسروں پر مقدم کرنا ضروری ہے علیٰ ہذا فوت ہو جانے والے کو دوسرے پر مقدم کرنے مثلاً والدہ کے حق کو والد پر اور ماں باپ کے نَفَقہ (ضروریاتِ زندگی) کو حج پر اور جمعہ کو عید پر اور قرض کو دیگر فروض پر۔ اس کا معلوم کرنا کتنا زیادہ ضروری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترتیب میں آکر جو دھوکا لگتا ہے وہ بہت ہی باریک ہوتا ہے جس کو علمائے راسخین ہی معلوم کر سکتے ہیں۔

باب 3۔ مالدار

(وہ مالدار لوگ جو اپنی دنیا و دولت سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔)

(۱) جو مسجدوں، مدرسوں، سرائے، پل، پانی کی سبیلوں کے لگانے پر حریص ہیں غرض نمود کی جو چیزیں ہیں پھر اُس کا اجر جس کو چاہیے اس کا نام اس پر لکھ دیتے ہیں تاکہ اُن کا ذکر ہمیشہ رہے اور موت کے بعد اثر پہنچا کرے وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے مغفرت کے مستحق ہیں حالانکہ اس میں دو طرح کا دھوکا اُن کو لگا ہے۔ اول تو یہ کہ مال انہوں نے ظلم و شبہ رشوت وغیرہ سے کمایا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مندی اور سخط کے مستحق ٹھہرے اب اگر ان سے ایسا ہو گیا تھا تو ضروری تھا کہ توبہ کرتے اور جن کا مال ہے اُن کو لوٹا دیتے بشرطیکہ وہ زندہ ہوں ورنہ اُن کے ورثاء کو پہنچاتے ورنہ جو زیادہ ضروری مصلحت ہوتی اس میں صرف کرتے۔ ضروری مصلحت کو لیجئے کبھی یہ ضروری ہوتا ہے کہ مساکین کو تقسیم کر دیا جائے پھر ایسی صورت میں ایسی عمارت کی کیا ضرورت ہے جو ضروری نہیں اور جسے چھوڑ جانا ہے بات یہ ہے کہ ان پر ریا اور شہرت اور ناموری کی لذت غالب آگئی ہے دوم یہ کہ یہ لوگ اپنے دلوں میں خیال کرتے ہیں کہ ہمارے فعل میں اخلاص ہے اور روپیہ خرچ کرنے اور بلند عمارت بنانے میں ہماری نیت نیک ہے حالانکہ اگر اُن کو کہا جائے کہ مسکین کو ایک روپیہ دے دو تو کبھی ہمت نہ پڑے وجہ یہی ہے کہ تعریف و مدح کی محبت دل کے اندر جمی ہوئی ہے۔

(۲) جو بسا اوقات مال حلال کماتا ہے اور حرام سے بچتا ہے اور مساجد پر صرف کرتا ہے اُن کو بھی دو طرح کا دھوکا لگا ہوتا ہے۔ اول تو یہ کہ اس فعل میں ریا اور سمعہ اور اپنی مدح و تعریف چھپی ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات اس کے ہمسایہ میں یا بستی میں فقیر ہوتے ہیں اور اُن کو امداد دینا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔

مسجد بنانے سے یہ غرض نہیں کہ ہر ایک گلی کوچہ میں مسجد ہو جائے خصوصاً جبکہ مساکین و فقراء محتاج بھی ہوں مگر مسجد کے لئے روپیہ دینا ان کو آسان ہوتا ہے کیونکہ اس کا ظہور لوگوں میں پایا جاتا ہے اور جب لوگوں سے اپنی تعریف سنتا ہے تب سمجھتا ہے کہ میں خدا کے لئے عمل کر رہا ہوں حالانکہ وہ غیر اللہ کے لئے کر رہا ہے اور اس کی نیت اس بات کو خوب جانتی ہے مگر اس کی نیت اسے دھوکہ دیتی ہے اور بتلاتی ہے کہ تو اللہ عزوجل کے لئے ہی کر رہا ہے۔ دوم یہ کہ مال کو مسجد کی زینت و آرائش میں لگاتا ہے، مسجد میں بیل بوٹے نکلواتا ہے، جس کی شرح میں نہی ہے کیونکہ اس سے نمازیوں کے دل مشغول ہو جاتے ہیں ان کی نظر ادھر جا پڑتی ہے اور خیال ہٹ جاتا ہے اور نماز میں جو خشوع اور حضورِ قلب مقصود ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ اب نمازیوں کے دل میں نماز کے اندر یا نماز سے باہر جو حالت بیل بوٹوں کو دیکھ کر گزرتی ہے اس کا بوجھ بنانے والے کے میزان میں ہوتا ہے کیونکہ مسجد کی زینت کسی طرح بھی درست نہیں۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد بنانے کا مدینہ منورہ میں ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام آئے کہا مسجد بنایئے

جس کی بلندی سات ہاتھ ہو اور اس میں کسی قسم کی آرائش نہ کیجئے نہ بیل بوٹے ہوں اب تم ان لوگوں کو دیکھو جنہوں نے منکر کو معروف سمجھ رکھا ہے اور پھر اس پر بھروسہ بھی کیا ہے بے شک یہ لوگ اس بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۳)جو صدقات میں فقراء و مساکین پر مال خرچ کرتے ہیں اور اس کے لئے بڑی بڑی محفلیں جمع کرتے ہیں۔ فقیروں کی عادت شکر گزاری اور احسان کی اشاعت ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ خفیہ صدقہ دینے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور اگر فقیر لے کر شکر گزاری نہ کرے تو اس کو فقیروں کی خِیانت (بے ایمانی، دھوکا) قرار دیتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہمسایہ بھوکے ہی رہتے ہیں اسی لئے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا کہ آخری زمانہ میں حاجیوں کی کثرت بلاسبب ہلاک ہو جائے گی کیونکہ لوگوں کا سفر شوق ہو جائے گا اور رزق وافر (زیادہ) ہو گا اور وہ مجرم ہو کر کھوکھا واپس آئیں گے کیونکہ کوئی ایسا ہو گا کہ اس کا اونٹ تو ریت کے ٹیلوں اور پہاڑی چوٹیوں پر ہو آئے گا اور وہ ہمسایہ کو قید دیکھ کر بھی نہ اس پر مہربانی کرے گا نہ تسلی دے گا۔

(۴)جو مال کی نگہداشت اور حفاظت کرتے ہیں بخل اُن پر غالب ہوتا ہے پھر ایسی عبادت بدنیہ میں جن میں خرچ کی ضرورت نہیں پڑتی مشغول رہتے ہیں مثلاً دن کا روزہ اور رات کی عبادت اور ختم قرآن مجید مگر یہ لوگ بھی دھوکے میں ہیں کیونکہ ان کے دل وروح پر بخل غالب ہوتا ہے اور دیگر فضائل کی طلب میں مشغول رہتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے کپڑے کے اندر سانپ گھس جائے اور مرنے کے قریب ہو جائے مگر یہ شخص سَلْخِین (شکار) کی تلاش تسکین صفراء کے لئے کرے دیکھ لو یہ کہاں تک ٹھیک ہے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے ذکر ہوا کہ فلاں شخص بہت روزہ رکھتا ہے اور بہت نماز پڑھتا ہے فرمایا بے چارہ نے اپنی حالت چھوڑی دی اور دوسرے کی حالت میں جا پڑا اُس کے شایان حال یہ تھا کہ بھوکے کو کھانا کھلاتا اور مساکین پر صرف کرتا یہ اس کے لئے خود بھوکے رہنے دنیا جمع کرنے فقیروں کو نہ دینے سے بہتر تھا۔[17]

(٦)جن پر بخل غالب ہے وہ زکوٰۃ کے سوا اور کچھ بھی دینا پسند نہیں کرتے۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں تو ردی ناکارہ مال میں سے جس کی ضرورت ورغبت نہ ہو پھر دنیا بھی ان فقیروں کو چاہتے ہیں جو ان کی خدمت کریں کام کیا کریں ایسے جن سے آئندہ خدمت لینے کی احتیاج (خواہش) ہو القصہ مختصر جس کسی سے کام پڑتا ہے اسی کو دیتے ہیں کبھی صرف ایک ہی شخص کو جو قدر و منزلت پانے کے لئے ان کے سامنے گڑ گڑا تا رہے خوشامد کرتا رہے دیتے رہتے ہیں یہ سب فعل نیت کو فاسد کرنے والے اور عمل کو ضائع کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ سمجھتا ہے کہ میں خدا کی اطاعت کر رہا ہوں حالانکہ وہ فاجر ہوتا ہے کیونکہ عبادت الٰہی نہیں بلکہ اپنی غرض حاصل کرنا چاہتا ہے پس یہ اور اس جیسے اور لوگ مال پر دھوکہ کھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

(٧)عوام اہلِ مال اور فقراء کا جو ذکر مجلسوں میں شامل ہوتے رہنے پر مغرور ہے اور سمجھتا ہے کہ یہی اُن کے لئے کافی ہے اس لئے وہاں جانے کو ہی عادت بنا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صرف وعظ سننے کا، عمل کے بغیر بھی اجر ہے حالانکہ یہ دھوکا ہے کیونکہ ذکر کی مجلسوں کی فضیلت جب ہی حاصل ہوتی ہے جب اُن

---

[17] (إحياء علوم الدين، ربع المهلكات، كتاب ذم الغرور، 409/3، دار المعرفة بيروت)

سے نیکی کی رغبت پیدا ہو اور اگر یہ رغبت پیدا نہیں ہوتی تب ایسی مجلس بھی اُس کے حق میں کچھ نہیں پھر یہ یاد رکھو کہ رغبت بھی اس لئے اچھی سمجھی جاتی ہے کہ وہ عمل کے لئے آمادہ کر دیتی ہے لیکن اگر رغبت صرف اس قدر ہی ہو کہ عمل کی آمادگی پیدا نہ ہو جائے تب بھی وہ کچھ نہیں۔

بعض لوگ بسا اوقات صرف وعظ سننے کو ہی بہت کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو رقت بھی ہو جاتی ہے مگر زمانہ رقت میں وہ رو بھی پڑتے ہیں بسا اوقات خوف دہندہ کلام سن کر رنگ زرد ہو جاتا ہے اور سلام مسلم، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ، حَسْبِيَ اللّٰهُ، ولَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ وغیرہ کلمات زبان سے کہہ اُٹھتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ بس ساری خوبی اور نیکی مل چکی حالانکہ یہ دھوکا ہے اس کی مثال اس بیمار کی سی ہے جو طبیبوں کی مجلس میں جائے جہاں ادویہ کی صفت ہو رہی ہو وہ دوا کا استعمال تو نہ کرے اور سمجھ لے کہ بیان سن کر ہی آرام و فائدہ ہو جائے گا یا اُس کی مثال اس بھوکے کی سی ہے جو ایسے شخص کے پاس جا بیٹھتا ہے جو کھانوں کا بیان کرتا ہو۔

غرض ہر ایک ایسا وعظ جس سے انسان کے اندر نمایاں تغیر پیدا نہ ہو جائے اور جن افعال کو خداوند کریم قبول کرتا ہے اختیار نہ کر لے دنیا سے رُخ بدل کر اللہ عزوجل کی طرف منہ کر نہ لے تو بجز اس کے کہ یہ وعظ اس پر اور حضت بن جائے کچھ فائدہ نہیں دیتا اور اگر اس کو کوئی وسیلہ سمجھنے لگے تو وہ دھوکا کھاتا ہے۔

باب 4۔ صوفیہ

(صوفیہ دھوکہ کا شکار)

بعض صوفیہ پر اس قدر دھوکے کا غلبہ ہے خصوصاً اس زمانہ کے صوفی بجز اس کے جسے خدا نے بچا رکھا ہو۔ یہ لوگ لباس و کلام ہیئت و صورت پر مغرور ہیں یہ لوگ صادق صوفیوں کا سا لباس پہنتے، اُن کی سی ہیئت بناتے، ان کے الفاظ آدابِ رسم و طریقہ کی پابندی کرتے، ان کی اصطلاحات اور احوال ظاہرہ میں مثل سماع و رقص، وضو و نماز، سجادہ پر بیٹھنے، سر جھکا لینے، مُتفکّر (غمگین) کی طرح گریبان میں سر ڈالے رکھنے، لمبے لمبے سانس لینے، بات کرتے وقت آواز کو دھیما کر لینے اور دوسرے وقت میں چیخوں کے مارنے کی عادت کر لیتے ہیں جب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا تب سمجھ لیا کہ نجات اسی میں ہے یہ لوگ نفس کو مجاہدہ اور ریاضت میں ہرگز نہیں ڈالتے دل کی نگہداشت نہیں کرتے، ظاہر و باطن کو بڑے چھوٹے گناہوں سے پاک نہیں کرتے جو درحقیقت تصوف کی منزلیں ہیں پھر اُن کو دیکھو گے کہ حرام اور مُشتبہ (غیر یقینی) کے لئے باہمی خصومت (کینہ) رکھتے، جھگڑتے اور شاہی روپیہ لینے کے لئے بحث کرتے ہوں گے اور آٹا، دانہ پیسہ کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہوں گے اور چھوٹی موٹی چیزوں کے لئے باہمی حسد رکھتے ہوں گے اور جہاں کوئی کسی چیز یا غرض میں ان کا مخالف ہوا وہیں کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔ ان کی مثال اس بڑھیا کی سی ہے جس نے سنا کہ بہادروں، جوانوں، تلواریوں کے نام دفتر میں لکھے جا رہے ہیں اس نے بہادروں کا سا لباس پہنا اور بادشاہ کے پاس جا پہنچی اور جہاں بھرتی ہو رہی ہو وہاں جا کھڑی ہو جہاں جا کر ثابت ہو کہ وہ بڑھیا کھوسٹ ہے اسے کہا جائے کہ تجھے بادشاہ سے اِستہزاء (مزاق) کرتے ہوئے شرم نہ آئی اسے لے جاؤ اور ہاتھ کے پاؤں میں گرا دو غرض انجام قتل ہو۔

(۱) پہلے فرقے سے بھی غرور میں بڑھاہوا ہے ان کو توشاق ہوتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے کپڑے پہنیں یا معمولی کھایا کریں علیٰ ہذا نکاح اور مسکن میں لیکن ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہر کو اہلِ تصوف کا آراستہ کریں جس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اس لئے یہ لوگ خُز[18] واَبریشَم[19] تو چھوڑ دیتے ہیں مگر عمدہ قسم کے کپڑے اور قیمتی تھان اور رنگ برنگ کے جاء نماز استعمال کرتے ہیں اور اُن کی قیمت ابریشم سے بھی زیادہ ہوتی ہے جب یہ لوگ معصیت ظاہرہ سے ہی نہیں بچتے تو باطن کے گناہوں سے کیونکر بچتے ہوں گے بے شک ان کی غرض تو عیش و عشرت کرنا اور سلاطین وامراء کا مال کھانا ہوتا ہے اور بایہمہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک ہیں اُن لوگوں سے ضرر (نقصان) مسلمانوں کو چوروں سے زیادہ پہونچتا ہے کیونکہ عمدہ لباس پہن کر یہ لوگ دلوں کو چرایا کرتے ہیں عام لوگ اُن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ ان کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔ پیروی کرنے والوں کو اگر کبھی ان کی بد عملیوں کی خبر ہو جاتی ہے تو بیچارے سمجھ لیتے ہیں کہ صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں یہ گویا تمام صوفیہ کی مذمت کی کھلم کھلی تصریح ہے۔

(۲) جو علم مکاشفہ اور مشاہدۂ حق اور تحصیل مقامات اور وصل اور عین شہود کی ملازمت اور قرب تک وصول کا اعاد کیا کرتا ہے وہ ان باتوں کو سمجھتا ہی نہیں اور یہ سب درجے لفظوں اور ناموں ہی میں ملے ہوتے ہیں وہ موٹے موٹے الفاظ کے کلمات بولتا اور دہراتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اولین وآخرین کے علم میں سے اعلیٰ یہی ہے وہ فقہاء اور قراء اور محدثین اور جملہ علماء کو دیکھتا ہے اور اس کی نگاہ میں کوئی بھی نہیں جچتا۔ عوام بیچارے تو کس شمار میں ہیں حتیٰ کہ جاٹ کھیتی چھوڑنے اور جولاہہ تانی چھوڑنے کی غرض سے چند روز تک اُن کے ساتھ لگا رہتا ہے اور گُرو (پیر مُرشد، استاد معلم) کے تمام کلمات کو یاد کر لیتا ہے۔ پھر ان کو اس طرح ادا کرتا ہے گویا وحی سے بول رہا ہے اور اسرار کی خبر دے رہا ہے پھر اس حالت پر وہ تمام عبادت کرنے والوں اہل علم کو حقیر جاننے لگتا ہے عابدوں کو تو بتلاتا ہے کہ وہ حیوان ہیں مشقت میں پڑے ہوئے علماء کو کہتا ہے یہ دور ہیں حجاب علم میں پہنے ہوئے۔ ہاں اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ میں حق سے واصل اور مقرب ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ فاجر و منافق ہوتا ہے اور اہل دل کے نزدیک احمق و جاہل کہلاتا ہے جس نے نہ کوئی عمل ہی کیا نہ خلق ہی سنوارا نہ علم ہی حاصل کیا نہ دل کی نگہداشت ہی کی بجز اس کے کہ ہوا و ہوس کی پیروی کی ہذیان بکا اگر وہ کسی اور ناموں کے کام میں لگ جاتا ہے تو اس کے لئے اس سے بہتر ہوتا۔

(۳) یہ ان سے آگے بڑھا ہوا ہے ان کے اعمال اچھے اور طلب حلال ہوتی ہے اور دل کی جانب توجہ کی ہوتی ہے پھر کوئی دعویٰ کرتا ہے مقاماتِ زہد و توکل حب ورضا کو حاصل کر چکا ہوں حالانکہ وہ نہ ان مقامات کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے نہ اس کی شرائط وعلامات و آفات سے واقف کوئی وجد اور محبت الٰہی کا مدعی ہوتا ہے اور سمجھا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیوانہ ہے شاید حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب اس کے خیالات فاسد ہوں جو بدعت سیئہ سے یا کفر ہوں اور وہ محبت الٰہی کا معرفت سے پہلے دعویٰ کرتا ہے جو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہوتا اور یہ حالت بھی ہو کہ مکروہاتِ الٰہیہ میں سے جن کو کبھی نہ چھوڑے اور احکامِ خداوندی پر خواہشِ نفس کو ہی ترجیح دیتا ہو یا بعض امور کو خلقت کی شرم سے چھوڑتا ہو حالانکہ جب تنہا ہو تو خدا سے شرم کھا کر انہیں کبھی نہ چھوڑے اتنا نہیں جانتا کہ یہ سب صورتیں محبت سے تناقض (مخالفت) رکھتی ہیں۔

---

18) ایک قیمتی خالص کپڑا جو بِلی کے مُشابہ ایک جانور جس کا سمور بڑا ملائم اور نفیس ہوتا ہے، کی کھال سے بنایا جاتا ہے۔

19) کچاریشم، ایک کیڑے کے لعاب دہن کے تار جن سے پکا ریشم تیار کیا جاتا ہے۔

کوئی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا میلان توکل و قناعت کی جانب ہوتا ہے وہ توکل کو صحیح کرنے کے لئے جنگلوں میں توشہ کے بغیر چلے جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ تو بدعت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امت کے سلف کبار (بڑے بزرگوں) سے ایسا کہیں بھی مروی نہیں جو توکل کے معنی ان سے زیادہ سمجھنے والے تھے انہوں نے روح کو خطرہ میں ڈالنے یا توشَہ (ضروریات کی اشیاء) کو چھوڑ دینے کا نام کبھی بھی توکل نہیں رکھا۔ وہ توشہ ساتھ لیتے اور پھر ان کا توکل توشہ پر نہ ہوتا بلکہ خدا پر ہوتا مگر اس کی حالت یہ ہے کہ گو توشہ کو چھوڑتا ہے مگر کسی نہ کسی سبب توکل و بھروسہ کرتا ہے حاصل یہ ہے کہ جتنے مقامات نجات بخش ہیں سب کے ساتھ دھوکا بھی ہے اور ایک نہ ایک قوم نے وہاں آخر دھوکا کھایا بھی ہے۔

(۴) جنہوں نے اپنے نفس پر روزی کو بہت ہی تنگ کر لیا ہے اُن کی غرض حلال خالص کی طلب ہوتی ہے یہ اسی دھن میں دل اور اعضاء کی نگہداشت ہی نہیں کر سکتے۔ طلب حلال میں کوئی کھانے میں کوئی پہننے میں کوئی کسب میں خاص زور دیا کرتا ہے اور اتنا نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ تو کمال اور طاعات (عبادات) سے راضی ہوتا ہے جس نے ایک کو لے لیا ایک کو چھوڑ دیا وہ بھی دھوکا کھائے ہوئے ہے۔

(۵) جو حسن خلق اور تواضع اور سماحت کا مدعی ہوتا ہے اور صوفیہ کی خدمت کا قصد کرتے ہیں کچھ لوگ جمع ہو کر ان کی خدمت کا ارادہ کر لیتے ہیں غرض یہ دنیا جمع کرنے مال کمانے کا جال ہوتا ہے ان کی غرض بہت جمع کرنا اور بزرگی قائم کرنا ہوتا ہے گو وہ ظاہر کرتے ہیں کہ خدمت و تواضع ہماری غرض ہے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری غرض آسائش پہنچانا ہے حالانکہ ان کی غرض تجارت ہوتی ہے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری غرض عوام کی خدمت گزاری ہے اور حرام و مشتبہ کو جمع کر لیتے اور اپنے پاس آنے والوں پر صرف کر دیتے ہیں جس سے اُن کی پیروی کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہے اور ان کی تعریف کرنے والوں کا شمار زیادہ ہو جاتا ہے کوئی ایسا ہوتا ہے جو سلاطین اور امراء سے مال لیتا ہے اور انہیں پر صرف کر دیتا ہے کوئی ایسا ہوتا ہے جو ظالموں اور امیروں سے لے کر حج کی راہ میں صوفیہ پر صرف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس صرف کرنے سے میری غرض نیکی پہنچانا اور فائدہ دینا ہے حالانکہ ان سب فعلوں کا سبب ریا وسمعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اَوامِر (احکام) و منکرِ مال حرام کے لینے نیز اس کے صرف کرنے میں ترک کر رکھا ہے ایسے شخص کی مثال جو حج کی راہ میں حرام روپیہ صرف کرتا ہے ایسی ہے جو مسجد بنائے اور نجاست سے اس کی لپائی کرائے پھر یہ سمجھے کہ میری غرض تو بنانا ہے۔

(٦) جو مجاہدہ اور تہذیب اخلاق میں مشغول ہے اور نفس کو عیوب سے پاک کرنے میں ساعی (کوشاں) ہے وہ اسی میں تعمق (فکر و تامل) کرتے ہیں اور نفس کے عیوب کی بحث اور کارِموں (خوبیوں) کی معرفت میں لگے رہتے ہیں غرض اُن کا تمام وقت عیوب اور آفاتِ نفس سے بچنے میں صرف ہوتا ہے اور اس بارے میں وہ بہت ہی باریکیاں چھانٹتے ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ نفس میں فلاں عیب ہے اور عیب سے غفلت دوسرا عیب ہے۔ غرض اس طرح مسلسل کلمات سے اس کو بڑھائے جاتے ہیں اور اسی میں اپنے اوقات کو ضائع کر دیتے ہیں کیونکہ وہ نفس میں ہی مشغول رہتے ہیں اور پروردگار کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کرتے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص حج کی راہ اور گھاٹیوں کی واقفیت تو پیدا کرتا ہے مگر حج کی راہ پر نہیں چلتا پس وہ واقفیت اس کے لئے بجائے حج نہیں ہو سکتی اس لئے یہ ہی دھوکا ہے۔

(۷) جو اس مرتبہ سے آگے بڑھے ہوئے ہیں وہ سلوک کی ابتدا کرتے ہیں اور معرفت کے دروازے اُن کے لئے کھل جاتے ہیں جب وہ ابتدائی معرفت کی خوشبو سونگھتے ہیں تو تعجب میں رہ جاتے ہیں اور کمال خوش ہوتے اور اس کے غَرائِب (عجیب و غریب چیزوں یا باتوں) سے اچنبھے میں آ جاتے ہیں اُن کی دلی التفات

ادھر لگ جاتی ہے وہ اسی میں تفکُّر (غور و فکر) کرنے لگتے ہیں اور سوچا کرتے ہیں کہ ہم پر وہ دروازے کیونکر کھلے ہیں جو اوروں پر بند ہیں یہ بھی ایک دھوکا ہے کیونکہ طریقِ الٰہیہ کے عجائبات کی انتہا نہیں جو شخص ہر ایک عجوبہ پر ٹھہرنے لگے گا وہ رک جائے گا اور مقصد تک پہنچنا اس پر حرام ہو جائے گا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے چلا اس نے دیکھا دروازہ کے سامنے کے چوک میں ایک عمدہ باغ ہے جس میں طرح طرح پھل پھول لگے ہوئے ہیں جو پہلے دیکھنے میں نہ آئے تھے یہ ان کے نظارہ میں ہی ایسا محو ہو گیا کہ ملاقات کا وقت جاتا رہا اور حسرت و افسوس کے ساتھ گھر آنا پڑا۔

(۸) جو ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے یہ لوگ رستہ کے انوار کی جانب التفات نہیں کرتے اور نہ ان بڑے بڑے عطیات کی طرف جو اس راہ میں ملتے ہیں نہ ڈگمگاتے ہیں نہ توجہ کو بدلتے ہیں بلکہ آگے کو ہی بڑھے چلے جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچ گئے تب سمجھ لیتے ہیں کہ وصول تک پہنچ گئے اس وقت ٹھہر جاتے ہیں ان کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور غلطی میں آجاتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلمت و نور کے ستر حجاب ہیں سالک جس کسی حجاب تک پہنچ جاتا ہے یہی خیال کرتا ہے کہ میں واصل ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ[20] میں اللہ تعالیٰ نے اسی امر کی جانب اشارہ کیا ہے اس مقام میں جو اکثر واقع ہوتے ہیں ان میں سے پہلا حجاب بندہ اور خدا عزوجل کے درمیان بندہ کا نفس ہے کیونکہ وہ امر ربانی اور عظیم شئ اور انوارِ الٰہی میں سے ایک نور ہے۔ ہماری مراد اس جگہ نفس سے قلب ہے جس میں حقیقت الٰہیہ کی تجلی ہوتی ہے جیسے کہ وہ ہے یہاں تک کہ اس کے آنے سے تمام عالم کھل جاتا اور تمام صورتوں پر احاطہ کرنا ممکن ہوتا ہے غرض قلب ایک بڑی چمک کے ساتھ چمکتا ہے ہستی جس طرح پر کہ وہ ہے ظاہر ہوتی ہے یہ وہی نور ہوتا ہے جو پہلے سے ایک فانوس کے اندر جس پر پردہ پڑا ہوتا ہے چھپا ہوتا ہے۔ غرض جب نورِ الٰہی کی تجلی ہوتی ہے اور قلب نورِ الٰہیہ سے روشن ہو کر منکشف ہو جاتا ہے تو سالک بسا اوقات دل کی جانب دیکھتا اس کے جمال روشن پر نظر ڈالتا اور حیرت میں رہ جاتا ہے تب انا الحق پکار اٹھتا ہے اگر اس حالت کی اصلاح نہ ہو اور اگلا مقام نہ کھلے تو سالک ضرور ہلاک ہو جاتا ہے۔ نصاریٰ نے اس معنی کے لحاظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے درجہ کو دیکھا یعنی انہوں نے اس نورانیت کو جو حضرت مسیح کو نورِ الٰہی کے نازل ہونے سے حاصل تھی خیال کیا اور غلطی میں پڑ گئے ان کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص تار کو لے کر شیشہ یا پانی میں دیکھ کر سمجھ لے کہ آئینہ یا پانی میں تارہ ہے پھر اپنا ہاتھ ہی تارے کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھائے تو ظاہر ہے کہ یہ دھوکا ہو گا۔

واضح ہو کہ سلوک الی اللہ میں قسم قسم کے دھوکے لگتے ہیں جن کا بیان بڑی بڑی جلدوں میں بھی نہیں ہو سکتا اور نہ تمام علومِ خفیہ پر اطلاع پانے کے بغیر ان کا حصر ہی ممکن ہے لیکن اس قدر رخصت کی اجارت ہی نہیں اجازت ہی صرف اس قدر ہے جس سے سالک دھوکے میں نہ جا گرے۔

خدا عزوجل ہی توفیق دینے والا ہے وہی مجھے کافی ہے وہی بہتر وکیل ہے ہم کو نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی توفیق بھی اسی بلند و بزرگ تر کی مدد سے میسر ہے۔

خاتمہ: دھوکہ کا شکار وہی ہو جاتا ہے جس کا مرشد نہ ہو اس لئے کہ بے مرشد کو شیطان بہت جلد اپنے دام تزویر (فریب) میں پھنسا لیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ (پارہ۱۵، سورۂ الکہف، آیت ۱۷)

---

[20]) (پارہ۷، سورۂ الانعام، آیت ۷۶) **ترجمہ:** پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا۔

ترجمہ: اور جسے گمراہ کرے تو ہر گز اس کا کوئی حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔

مشائخ کا مسلم قاعدہ ہے: من لا شیخ له فشیخه الشیطان

یعنی جس کا کوئی شیخ (مرشد) نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہے۔

اسی لئے لازم ہے کہ کسی مرشد کامل کا مرید ہو ورنہ شیطان کسی نہ کسی بہانہ سے گمراہ کر ہی لے گا لیکن مرشد کے لئے بھی شرائط ہیں ان شرائط کے بغیر کسی کا مرید ہو گیا تو پھر ممکن ہے کہ وہ خود بھی ڈوبے اور تجھے بھی لے ڈوبے۔

ے آنکه خود گم است کرارہبری کند

یعنی جو خود گمراہ ہے دوسرے کی خاک رہبری کرے گا۔

بلکہ حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہر دستے نباید داددست

یعنی بہت سے آدم کی شکل میں ابلیس پھرتے ہیں اسی لئے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے یعنی ہر ایک کا بیعت نہیں ہونا چاہیے۔

سبع سنابل شریف میں حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، "چند شرائط می دان که بے آن شرائط اصلا پیری مریدی درست نیست یکے آنکه پیر مسلک صحیح داشته باشد، دوم آنکه پیردرادائے حق شریعت قاصرومتہاون نباشد سوم آنکه پیرراعقائد درست بود مو افق مذہب سنت و جماعت پیری ومریدی بے ایں سه شرائط اصلا درست نیست۔" [21]

یعنی پیری مریدی چند شرائط پر مبنی ہے جن کے بغیر پیری مریدی صحیح نہیں اُن شرائط میں پہلی شرط یہ ہے کہ پیر مسلک صحیح رکھتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پیر حقوقِ شرعیہ ادا کرنے (یعنی اتباعِ احکام شریعت) میں سست اور کاہل نہ ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقائد مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق ہوں۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن کے بغیر پیری و مریدی ہر گز صحیح نہیں ہو سکتی۔ ایک چوتھی شرط اور بھی ہے وہ یہ کہ مرشد کا سلسلہ سلاسلِ طیبہ میں سے کسی کے ساتھ متصل ہو۔ ان چار شرائط پر جو مرشد ملے بیعت کرلیں پھر بیڑا پار ہے۔

ان شاء اللّٰہ تعالیٰ وثم انشاء الرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وآله وسلم

هذا آخر مارقمه قلم

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

۲۵ ذیعقعد ۱۳۹۶ھ

---

[21] (سبع سنابل سنبله ,39/2, مکتبه قادریه جامعه نظامیه لاہور)